اس کے علاوہ فاضل نقاد نے تسلیم کیا ہے کہ بعض مغربی اہلِ قلم کے اعتراضات دوسرے حضرات کی آراء سے غلط ثابت کیے گئے ہیں۔ سو کیا سب کے سب مغربی مصنّفین متعصّب یا بددیانت ہیں یا ان میں ایسے حضرت کی کمی نہیں ہے جو باوجود صدیوں کے مذہبی تعصبات کو بالائے طاق رکھ کر حق بات اسلام اور بانئ اسلام ﷺ کی نسبت بیان کرتے ہیں۔

دوسرے اگر ایک مغربی مصنّف ایک جگہ غلط بیانی سے کام لیتا ہے لیکن دوسری جگہ حق گوئی سے کام لیتا ہے تو کیوں کہ اس نے ایک جگہ غلطی کی ہے، اس کی بات جو دوسری جگہ حق پر مبنی ہے، اس کو رد کر دیا جائے۔ فاضل نقاد کی الجھی ہوئی منطق سمجھ میں نہیں آتی---- فاضل نقاد کا یہ اعتراض درخورِ اعتناء نہیں ہے۔

فاضل نقاد کے علاوہ بھی بعض اہلِ قلم حضرات اور مقتدر ہستیوں نے میری کتاب پر اچھی آراء دی ہیں---"

تبصرہ نگار کا نقطۂ نظر

[پروفیسر قریشی نے تبصرہ نگاری کا جو اصول بیان کیا ہے کہ "تبصرہ بےلاگ ہو اور غلط بیانی سے کام نہ لیا جائے۔" اس سے شاید ہی کسی پڑھے لکھے شخص کو اختلاف ہوگا۔ یہ الگ بات ہے کہ کم ہی مصنّفین کو اپنی کتابوں پر "بےلاگ" تبصرے پسند آتے ہیں۔

پروفیسر قریشی نے تبصرہ نگار کی چار "غلط بیانیوں" یا نرم الفاظ میں "صریح اغلاط" کی نشاندہی کی ہے۔ ذیل میں حقائق کی کسوٹی پر تبصرہ نگار اور پروفیسر قریشی کے نقطۂ نظر کا جائزہ لیا جاتا ہے۔

ا۔ پروفیسر قریشی کی کتاب کا اصل موضوع اس کے عنوان یعنی "خلفائے راشدین اور بنو امیہ کے زمانے میں مسیحی دُنیا سے مسلمانوں کا عسکری تصادم" سے واضح ہے۔ پہلے باب کا ابتدائی حصہ اور باقی تین ابواب موضوع کا احاطہ کرتے ہیں البتہ پہلے باب کا وہ حصہ جس میں دانی ایل نبی کی جانب منسُوب پیش گوئی کا مصداق تلاش کرتے ہوئے پہلی صلیبی جنگ اور اِس میں صلیبیوں کے مظالم سے بحث کی گئی ہے، براہِ راست موضوعِ کتاب سے کافی دور ہے اور اس کا احساس خود پروفیسر قریشی کو بھی ہے۔ (دیکھیے دیباچہ کتاب)

ماہنامہ "اسلامک لٹریچر" (لاہور) میں شائع شدہ مضامین تبصرہ نگار کی نظر سے برسوں پہلے گزرے تھے اور اپنی یادداشتوں کے حوالے سے اُس نے تبصرے میں یہ لکھ دیا کہ "یہی مضامین معمولی اضافوں کے ساتھ زیرِ تبصرہ کتاب کی صورت میں یک جا شائع ہوئے۔"

کتاب کے پہلے باب کا ابتدائی حصہ "اسلامک لٹریچر" کے شمارہ بابت مئی ۱۹۶۸ء میں شائع ہوا

تھا۔ کتاب میں شامل کرتے ہوئے اس میں ذیلی سرخیوں کا اضافہ کیا گیا ہے اور کچھ مزید مصنّفین کے اقتباسات شامل کیے گئے ہیں۔ کتاب کا دوسرا باب جون ۱۹۶۸ء میں پہلی بار چھپا۔ اس میں ذیلی سرخیوں اور صرف چھ حوالہ جات کا اضافہ کیا گیا ہے۔ کتاب کا تیسرا باب جولائی ۱۹۶۸ء میں شائع ہوا اور اس میں ذیلی سرخیوں کے اضافے اور آخری ایک سطر کی کمی کے علاوہ کوئی تبدیلی نہیں کی گئی۔ چوتھا باب ستمبر اور اکتوبر ۱۹۶۸ء کے دو شماروں میں شائع ہوا۔ اس میں سات مزید حواشی کا اضافہ کر کے کتاب میں شامل کیا گیا ہے۔ یوں حواشی کے تعداد ۱۵۲ سے بڑھ کر ۱۵۹ ہو گئی ہے۔

پروفیسر قریشی نے بجا طور پر واضح کیا ہے کہ دانیال نبی کی پیش گوئی سے متعلق طویل بحث "اسلامک لٹریچر" میں شائع نہیں ہوئی تھی تاہم مذکورہ بالا تفصیل پیشِ نظر رکھی جائے تو تبصرہ نگار بحیثیت مجموعی کتاب کے عنوان کے حوالے سے مضامین کے بارے میں اپنی رائے میں غلط نہیں ہے۔

۲۔ تبصرہ نگار نے دانی ایل نبی کی پیش گوئی کی توجیہ و تعبیر سے متعلق لکھا تھا کہ

> "پروفیسر قریشی کی توجیہ یہ ہے کہ اس کے مصداق وہ صلیبی ہیں جنھوں نے پہلی صلیبی جنگ (۴۹۳ھ) میں بیت المقدس میں داخل ہو کر، کیا یہود اور کیا مسلمان، سب کو موت کے گھاٹ اتارا اور اس میں مرد یا عورت، بوڑھے یا بچے کی کوئی تمیز نہ کی۔ پروفیسر قریشی نے صلیبیوں کے مظالم پر تقریباً اسی مسلم اور مسیحی اہل قلم کے ایک جیسے اقتباسات درج کیے ہیں۔"

تبصرہ نگار نے جن مسلم اور مسیحی اہل قلم کی تعداد "تقریباً اسی" لکھی ہے، ان کے اقتباسات کتاب کے صفحہ ۵۴ سے صفحہ ۹۶ تک دیے گئے ہیں۔ تبصرہ نگار نے حساب کے سادہ قاعدے "ایک جمع ایک مساوی دو" کے مطابق گن کر تعداد "تقریباً اسی" لکھی ہے۔ اگر پروفیسر قریشی خود بھی گننے کی زحمت گوارا کر لیتے تو اُنھیں تبصرہ نگار سے حساب کا وہ قاعدہ دریافت کرنے کی ضرورت نہ پڑتی جس کے مطابق یہ اقتباسات "تقریباً اسی" ہیں۔

پروفیسر قریشی نے تبصرہ نگار کو غلط قرار دیتے ہوئے حاشیہ ۱۴۸ سے حاشیہ ۲۹۰ تک مذکور کتب کے مصنّفین کو ایک سو بیالیس قرار دیا ہے۔ پہلی گزارش تو یہ ہے کہ یہ سارے حواشی صلیبیوں کے مظالم سے متعلق نہیں ہیں۔ صفحہ ۹۶ سے نئی بحث کا آغاز ہوتا ہے۔ (ذیلی سرخی بھی موجود ہے، گو جلی الفاظ میں نہیں لکھی جا سکی۔) صفحہ ۹۶ سے لے کر اختتام باب تک جو بحث ہے اس میں ایک طرف صلیبیوں کے مظالم اور دوسری طرف مسلمانوں کے اعلیٰ سلوک کا اظہار کیا گیا ہے۔ اس لیے حواشی بھی ان دونوں متضاد رویّوں سے متعلق ہیں۔

اگر پروفیسر قریشی کا نقطۂ نظر، کمزوریوں کے باوجود قبول کر لیا جائے تو بھی یہ ایک سو بیالیس مصنّفین گن لینا امر محال ہے کیوں کہ حاشیہ ۱۴۸ سے حاشیہ ۲۹۰ تک بہت سے مصنّفین کے حوالے بہ تکرار دیے گئے ہیں۔ مثال کے طور پر ...Zoe اور Charles Mills کے حوالے چھ چھ دفعہ، George Cox کا حوالہ پانچ دفعہ، J. M. Robertson کا حوالہ چار دفعہ دیا گیا ہے۔ ایک ہی مصنف اور اس کی ایک ہی تصنیف کا حوالہ چھ دفعہ دینے سے "چھ مصنّفین" کیسے بن سکتے ہیں؟

واللہ اعلم پروفیسر قریشی سے یہ پہلو کیوں نظرانداز ہو گئے ہیں؟ رہا ایک جیسے بیانات کا ذکر تو اس میں کوئی پھبتی نہیں بلکہ محض اظہار واقعہ ہے۔

۳۔ تبصرے میں پروفیسر قریشی کا پورا نام پانچ بار لکھا گیا ہے جن میں سے ایک جگہ "ظفر علی قریشی" کی جگہ "ظفر احمد قریشی" سہواً ٹائپ ہو گیا ہے۔ پروف ریڈنگ کی اِس غلطی کو بھی پروفیسر صاحب نے "غلط بیانی" قرار دے ڈالا ہے۔

۴۔ پروفیسر قریشی نے تبصرہ نگار کے اِس بیان پر کہ "زیر تبصرہ تالیف اس لحاظ سے قابل قدر ہے کہ بعض مغربی اہلِ قلم کے اعتراضات دوسرے حضرات کی آراء سے غلط ثابت کیے گئے ہیں مگر اس اندازِ تالیف میں الجھن یہ ہے کہ ایک ہی مصنّف سے تائیدی اقتباس لے کر دوسری جگہ اسے بددیانت یا متعصّب کہا جاتا ہے تو پہلی دلیل میں وزن نہیں رہتا۔"

اس اقتباس میں پروفیسر قریشی نے تضاد بیانی دریافت کی ہے۔ اس سلسلے میں پہلی گزارش یہ ہے کہ عَموماً لوگ چیزوں کو سیاہ یا سفید دیکھنے کے عادی ہیں۔ اُن کے خیال میں جو چیز اچھی ہے اس میں کوئی نقص نہیں ہو سکتا اور جو چیز بری ہے اس میں سرے سے کسی خوبی کا وجود ممکن نہیں۔ اسی رجحان کا نتیجہ ہے کہ پروفیسر قریشی "قابلِ قدر" کام میں کسی کمزوری کو تسلیم نہیں کرتے۔

تبصرہ نگار کو اس پر اعتراض نہیں ہے کہ ایک مغربی مصنّف کی رائے کو دوسرے مصنّفین کی آراء پیش کر کے غلط قرار دیا گیا ہے جبکہ مؤخر الذکر مصنّفین بددیانت بھی نہیں۔ تبصرہ نگار کو اعتراض اس امر پر تھا کہ پہلے ایک مصنّف کو متعصّب قرار دیا جاتا ہے اور آگے جا کر اسی کو اپنی تائید میں پیش کیا جاتا ہے۔ ایک عام قاری یہ کہہ سکتا ہے کہ جو بات پروفیسر قریشی کو پسند نہیں وہ غلط ہے اور جو بات پروفیسر قریشی کی مرضی کے مطابق ہے وہ درست ہے۔

بہرحال تبصرہ نگار نے اپنی رائے لکھ دی تھی کہ زیادہ بہتر یہ ہے کہ "الزامی حوالے جمع کرنے کے بجائے واقعات کا تجزیہ کرتے ہوئے ثابت کیا جائے کہ کسی مصنّف کی کوئی رائے یا بیان کیوں غلط ہے یا کیوں صحیح ہے۔"]